# ان اللہ علیٰ کُلِ شئ ٍقدیر

آخر وہی ہوا جسکا پچھلے ڈیڑھ ماہ سے گمان، اذھان اور یقین سا ہو گیا تھا۔ بےنظیر اپنے انجام بالشر کو پہنچیں۔ اسکی بہت سی وجوہات ہیں، جسمیں ان کے فسقی رویے، فجوری اعمال، کافرانہ جذبے، معاشی ظلم، مزدور، کسان، ریڑھی بان، کوچوان اور دیہاڑی دار کو بھک منگا بنا دینے، مڈل کلاس کو پانچویں درجے کی مخلوق میں تبدیل کرنے کا ہندوانہ فعلِ شنیع شامل ہے۔ کیا کیا گنا اور سُنوایا جائے: جس خاتون نے اپنے بھائی کو معاف نہیں کیا اس سے کسی غیر کے لئے بھلائی کی توقع انتہائی لغو، فضول، عبث اور بیکار خواہش ہے۔ بے نظیر نے اپنے والد کی موت کا انتقام پوری قوم سے یوں لیا کہ شاید ہی تاریخ میں ایسا کوئی اور منتقم مزاج حکمران مل سکے۔ بنو عباس کے ظالم و مستبد حکمرانوں نے بنی امیہ کو قتل کر کے انکی لاشوں پر دستر خوان بچھا کے کھانا کھایا مگر بے نظیر ان عباسیوں کے بھی کان کتر گئیں۔ انہوں نے انسانوں کو یوں زندہ رکھا جیسے جاگیردار اپنے وسیب کو زندہ رکھتا ہے اور اپنی جاگیر کے وسنیکوں کو زندگی کی بھیک مانگنے پر ایک وقت کا بچا کھچا دے دیتا ہے، انہیں ممنون کرتا ہے اور وہ بد نصیب ہاتھ جوڑ کر کورنش بجا لاتا ہے۔ سائیں، سردار اور سرکار کی دہلیزِ خلیظ پر جبہ سائی کرتا رہتا ہے۔ جاگیردار کے استبدادی رویوں سے مجبور ہو کر وسنیک اتنا گر جاتا ہے کہ وہ اپنی "پگ" سے جاگیردار کے جوتے تک صاف کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ جاگیردار اپنے طاغوتی پیر جھٹکتا ہے اور کہتا جاتا ہے بس کرو! مگر بے توفیق وسنیک بڑی لجاجت سے کہتا ہے "سائیں، مجھے خدمت تو کرنے دیں پھر خدا جانے یہ وقت آئے نہ آئے۔ مرے پیارے مجھے یوں نہ دھتکار، میں تو آپ کا غلام ہوں، آپ کے ابا جان کی بھی ہمیشہ غلامی کی ہے، آج میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو کیا ہوا مجھے آپ کی غلامی کا دعویٰ تو ہے..... بے نظیر، پاکستانیوں سے خصوصاً ان پاکستانیوں سے جو "بھٹو کے پاکستان" کے وسنیک ہیں، یہی چاہتی تھیں۔ لیکن.....

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

یعنی وہی..... جس کا ڈر تھا۔ وہی... جو ایک دن ہونا تھا۔ وہی..... جو ہوتا آیا ہے۔ جی ہاں..... چاہ کن را چاہ درپیش!
لیکن.....ان کا اب بھی یہ کہنا ہے کہ

"یوں نہ چاہا تھا فقط میں نے تو چاہا تھا یوں ہو جائے!"

ان کے "یوں" چاہنے اور "یوں" نہ چاہنے سے، کون کون، کب کب اور کہاں کہاں، "یوں یوں" نہ ہوا؟
ہر طرف ایک ہی پکار تھی کہ.....ع

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

آخر "گل" نے جان لیا۔ "خانہ براندازِ چمن" کو جالیا اور پکار اٹھا

جو عدو باغ ہو، برباد ہو
خواہ وہ گلچیں ہو یا صیاد ہو

جس طرح فاروق احمد لغاری نے یہ ایک عمل، جاگیردارانہ رویّوں سے ہٹ کے کیا ہے، کاش..... وہ مستقبل میں بھی ایسے ہی مثبت، حسین اور یادگار رویّوں سے پاکستان کو پلیدستان بننے سے بچالیں۔ وہ پاکستان میں اسلام کی حکومت قائم نہیں کرتے نہ کریں۔

مگر پاکستان میں انسانی رویّے عام کر دیں۔

استبدادی ہتھکنڈوں سے ہماری جان چھڑا دیں

ظلم وجور کی کالی اور اندھی رات کا بستر لپیٹ دیں۔

ایسا سورج ابھاریں جس کی روشنی سے بے نور آنکھیں بھی راستہ دیکھ سکیں۔

پاکستان کو فلاحی ریاست بنا دیں۔

قوم سے انتقام نہ لیں بلکہ قوم کے افکار و اعمال کی سمت تبدیل کر دیں۔

قوم کا قبلہ درست کر دیں۔

وہ جو نظام بھی چاہیں، نافذ کریں مگر دیانتداری سے کریں اور صرف سماعتوں میں زہر یا رَس گھولنے سے قوم کو "خوش" نہ کریں بلکہ اس کا شکم پُر کریں، اس کی ضرورتیں پوری کریں۔

عوام کی زندگی کے گمبھیر مسائل حل کریں، خصوصاً قوم کو معاشی ظلم سے نجات دلادیں۔

ڈاکوؤں، چوروں، قاتلوں، اغوا کنندگان..... ابلیس و خبیث اور خسیس افراد کو ہمیشہ کے لئے آشنائے خاک کر دیں۔

ملک میں بسنے والے دو پایوں (نہ کہ مسلمانوں) کی دنیاوی اور حیوانی (مگر جائز) خواہشات کی تکمیل کر دیں۔

کاش، اے کاش!

کاش! ایسا نہ ہو کہ بے کس اور بے بس لوگوں کی جائز، نیک، پاک خواہشوں کے بدلے میں انہیں دھوکے، دھکے، دھولیں، دھپے، ٹھیّے، چکمے اور جھانسے دیئے جائیں اور لغاری صاحب اپنے کروڑوں روپے مالیت کے ایوان میں مست مست ہوں۔

وہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دُھن تراشتے رہیں اور ادھر، نشیمنوں پہ بجلیوں کے کارواں گزر جائیں۔

کاش! اللہ تعالیٰ جناب فاروق احمد لغاری کے دل میں یہ باتیں اتار دیں۔ ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔